سید محمد ابراہیم فکری

ہمارا قومی گیت

مصنّف

سید محمد ابراہیم فکری

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

سنہ اشاعت اپریل، جون 1985 — شک 1906

پہلا ایڈیشن — 2000

قیمت 10/00 روپے

سلسلہ مطبوعات نمبر :— 489

ناشر:۔ ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم، نئی دہلی 110060

طابع :۔ سپریم آفسٹ پریس۔ K-5۔ مالویہ نگر۔ نئی دہلی

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقا کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقا کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت مؤثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا ہے، ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کرچکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیر نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم

ڈائریکٹر ترقی اُردو بیورو

مشتملات

قومی گیت تمام قوموں کے لیے ایک ضروری چیز ہے۔ اس واسطے کہ یہ گیت قومی عزم و ارادہ کا مظہر ہوتا ہے اور اس میں ایسے جذبات چھپے ہوتے ہیں کہ جن کی گہرائی کا اندازہ لگایا نہیں جا سکتا۔

ہم تمام ہندوستانیوں ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں، پارسیوں، سکھوں اور دیگر لوگوں کے لیے جن کا وطن ہندوستان ہے یہ بہت ضروری ہے کہ ہمارا اپنا ایک قومی گیت ہو۔

جن گن من ہمارا قومی ترانہ ہے جب اس ترانے کی آواز ہمارے کانوں میں پڑتی ہے ہم احترام و عقیدت میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ ترانہ ہمارے قومی وقار اور قومی یکجہتی کی علامت ہے۔ آزاد ہونے کے بعد ہمارے قومی رہنماؤں نے اس کو قومی ترانے کا درجہ دے کر اس ترانے کے ذریعے قوم کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

ہر قوم کی زندگی میں قومی ترانے کی افادیت رہی ہے مگر یہ قومی ترانہ کیسے وجود میں آیا اس کی ایک لمبی تاریخ ہے جس کے ڈانڈے ہماری قومی تاریخ سے جا ملتے ہیں۔ آیئے ذرا

پہلے اس تاریخی پس منظر کا جائزہ لیں۔

مسلمانوں کی حکومت اور انگریزی راج کا فرق

انگریزی راج ہندوستان میں کوئی دو سو برس تک رہا لیکن اس لمبے عرصے میں انگریزوں نے کبھی اس ملک کو اپنا ملک نہیں سمجھا۔ یہاں کی جنتا سے انہیں کوئی مناسبت نہیں تھی۔ یہاں کے رہنے والوں سے ان کا برتاؤ اور سلوک مساویانہ اور برابری کا تو بالکل ہی نہیں تھا۔ وہ خود کو یہاں کا حاکم و مالک سمجھتے اور عوام کو اپنا غلام اور محکوم۔

اس میں شک نہیں کہ وسط ایشا کے کئی قبیلے جن میں ایبک، تغلق، خلجی، افغان پٹھان، مغل مشہور ہیں بھارت میں آئے اور حکومتیں بنائیں اور کوئی نو سو برس تک ملک کے مختلف حصوں میں ان کی حکومت کا دور دورہ رہا مگر انہوں نے بھارت کو اپنا وطن بنایا اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اسی ملک کی ترقی اور خوشحالی اور عظمت ان کا مطمح نظر رہی۔ ان سب کے سامنے ہندوستان قومی ریاست تھی جس میں بادشاہ کے اقتدار اعلیٰ کے ماتحت ملک کی سب جماعتیں اور گروہ بلاتفریق نسل و مذہب مساوی درجہ اور مساوی حقوق رکھتی تھیں۔ ان کی کوشش تھی کہ بادشاہ اور اس کی ادنیٰ ترین رعایا میں بھی بلاواسطہ تعلق ہو اور یہ محسوس کریں کہ بادشاہ کی ذات، ان کی آرزوؤں اور حوصلوں کا مجسمہ اور آئینہ ہے۔

اس کے برخلاف انگریز جس ریاست کے گرد ہندوستانیوں کو جمع کرنا چاہتے تھے وہ حقیقی معنی میں ریاست نہ تھی بلکہ سلطنت برطانیہ کی ایک کالونی تھی یعنی ایک محکوم ملک جس

میں برائے نام فرماں روا کمپنی برطانیہ تھی۔ وہ حقیقت میں پارلیمنٹ یعنی برطانوی قوم کی حکومت تھی گویا کہ ہندوستانیوں سے ایک فرد واحد کی اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ نہ تھا بلکہ پوری قوم کی اطاعت و فرمانبرداری کا مطالبہ تھا۔ اور وہ بھی اس قوم کی جو ان کی تاریخ مذہب معاشرت رہن سہن سے ناواقف ان کے رنج و راحت سے بے خبر، ان سے ہزاروں میل کے فاصلے پر رہتی تھی پھر اس قوم کے جو افراد ہندوستان میں رہتے تھے انھوں نے بھی نسلی اور قومی برتری کے نئے جذبے و احساس کے تحت ہندوستانیوں سے قطع تعلق کر لیا تھا جس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ دونوں کے درمیان اجنبیت اور غیریت بڑھ گئی تھی۔

ہندوستان میں قومی تحریک کا احیا

ہندوستان میں قومیت کے جذبے کے ابھرنے کا خاص سبب یہاں کی غیر ملکی حکومت کا قیام تھا۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں یہاں برطانوی حکومت قایم ہوئی تھی یہ وہ زمانہ تھا کہ یوروپ کی قومیت اپنی پوری نشوونما کو پہنچ چکی تھی اور ان قوموں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے انہیں قومی خودغرضی میں بتلا کر دیا۔ قومیت کا مطلب اور اس کا معیار خودغرضی تھی۔ اس خودغرضی کا نشانہ دنیا کی کمزور اور غیر منظم قومیں تھیں جس کا خاص مقصد مالی فائدہ کے علاوہ سیاسی طاقت و حکومت حاصل کرنا تھا۔ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے ہندوستان پر بھی قبضہ ہوا۔

انگریزوں کی دوسو سالہ حکومت میں امن وامان صنعتی ترقی بہت کچھ ہوئی لیکن ملک میں فقر وفاقہ جہالت بیماری اور غلامی ومحکومی کی ذلتیں جیوں کے تیوں باقی رہیں۔ انگریزی سلطنت ہندوستانیوں کو کھلنے لگی اور حکومت ایسا بوجھ بن گئی کہ ہندوستان والوں کے لیے اس کا برداشت کرنا دوبھر ہوگیا۔ وہ اب اپنی غلامی کے جوئے کو اپنے کندھوں سے اتار کر پھینکنے کے لیے آمادہ وتیار تھے۔

سن ستاون

ہندو ومسلمان دونوں کی طرف سے آزادی کی اس خواہش کا اظہار سن ستاون کی اس کوشش سے ہوا جسے "ہنگامہ غدر" کہا جاتا ہے۔ یہ آزادی کی پہلی جنگ بہادرشاہ ظفر کی کمان میں لڑی گئی تھی۔

دہلی کا انقلاب ۱۸۵۷ء موسم بہار میں ہوا تھا۔ لال قلعہ دہلی کی بہار کو گھن لگ گیا تھا۔ بہادرشاہ ظفر بغاوت کے جرم" میں اپنے ہی گھر لال قلعہ میں قید رہے۔ بغاوت کے اس مجرم کو پڑھنے لکھنے کے سامان سے محروم کردیا گیا تھا لیکن قلم کی جگہ کوئلہ اور کاغذ کی جگہ ساون بھادون کی دیواریں موجود تھیں۔ بادشاہ کے دل پر سخت چوٹ لگی تھی۔

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں میرا غم سے سینہ فگار ہے

نہ تھا شہر دہلی یہ تھا چمن جہاں ہر طرف تھی ایک انجمن
اسے جاکے دیکھو تو اب ذرا فقط ایک اجڑا دیار ہے

وہ رعایا ہند تباہ ہوئی کہوں کیسے ان پہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قابل دار ہے

شب و روز پھولوں میں جو تلیں کہو قید غم میں نہ کیوں گھلیں
گلے طوق پاؤں میں بیڑیاں کہا بدلے گل کے یہ ہار ہے

تجھے اے ظفر بھلا کس کا ڈر تو خدا کے فضل پہ رکھ نظر
تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہی تیرا حامی کار ہے

بادشاہ کی زبان سے نکلا ہوا یہ گیت ایسا مشہور ہوا کہ کمپنی نے اس کا پڑھنا جرم قرار دیدیا۔ اس بغاوت کو اگرچہ ظلم وستم کے سہارے دبادیا گیا مگر انقلاب و آزادی کی یہ چنگاری اندر اندر برابر سلگتی رہی۔

انقلاب سن ستاون کے ٹھیک ۲۸ سال بعد انڈین نیشنل کانگریس کا جنم ہوا جس نے عوام کو جمہوری طور پر منظم کر کے سیاسی حقوق کا مطالبہ شروع کیا۔ ابتدا میں اس جماعت کا کام یہ تھا کہ انگریزی سرکار کے سامنے یہاں کی جنتا کی شکایتیں پیش کرے اور حکومت کے قواعد وقوانین میں درستی واصلاح کے لئے مشورہ دے۔ آہستہ آہستہ اس جماعت کے مقصد میں تبدیلی آئی۔ حکومت خود اختیاری کی خواہش وآرزو ایک قومی ولولے کی حیثیت سے عوام میں سرایت کرنے لگی۔ اوراس کے ساتھ قومیت کا تصور اور خیال ہندوستانیوں کے دل و دماغ میں جگہ پانے لگا۔

کہ ہر قوم اپنے ملکی اور سیاسی معاملات میں آزاد و خود مختار ہو۔

قومی جذبہ کا یہ احساس سب سے پہلے تعلیم یافتہ لوگوں اور طبقوں میں اور شہروں میں ظاہر ہوا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی تیزی کے ساتھ سارے ہندوستان میں پھیل گیا جس کے نتیجے میں ہندوستان بھر میں قومی تحریکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عوام نے حکومت کے خلاف آواز بلند کی کسی موقع پر دہشت پسندی اور تشدد و سختی کے راستے کو بھی اپنایا گیا۔

۱۹۲۰ء میں جب گاندھی جی اس میدان میں آئے تو انہوں نے ستیہ گرہ اور عدم تعاون کی تحریک کے ذریعے آزادی کے کارواں و قافلے کو اہنسا اور عدم تشدد کے راستے پر چلانا شروع کیا۔ اب دہلی سے لے کر چھوٹے چھوٹے گاؤں تک کے لوگ ایک سیاسی جماعت میں بندھ گئے۔ اب وہ سب ایک آواز سے بولتے تھے اور ایک پروگرام کے اندر رہ کر ایک ہی مقصد کے لئے کوشش کر رہے تھے یعنی سارا ہندوستان ایک جسم ہو گیا تھا کہ اس کے کسی عضو یا حصے کو تکلیف پہنچی تو سارا جسم یعنی پورا ہندوستان اس تکلیف سے بے چین ہو جاتا تھا۔

تقسیم بنگال پر ناراضگی، رولٹ ایکٹ کی مخالفت، ترک موالات کی سودیسی کی مہم سائمن کمیشن کا بائیکاٹ اور دوسری جنگ کے موقع پر بے تعلقی کا اعلان جیسی کل ہند تحریکیں اور سب سے آخر میں "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ کانگریس کی رہنمائی میں اس کے پلیٹ فارم سے بلند کیا گیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے انگریزی راج کا بھارت سے خاتمہ ہو گیا اور یہ ایک ملک بھارت و پاکستان دو الگ الگ ریاستوں و حکومتوں میں بٹ گیا۔

قومی ادب اور ملکی تحریکات

جیسے جیسے ہندوستان میں قومی تحریکیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں اس زمانہ کا ادب بھی ان تحریکات کا اثر لیے بغیر نہ رہ سکا۔ شاعروں نے وطن کے گیت گائے۔ حبِ وطن کے نغمے کہے۔ قومی و سیاسی تحریکوں کی ضرورت واہمیت سے لوگوں کو روشناس کرایا اور عوام کو اس میں آنے اور شامل ہونے کی دعوت دی۔ بغاوت پر لوگوں کو اکسایا، قومی رہنماؤں کے قصیدے گائے گئے۔ نیز ان کی ہمت و حوصلہ افزائی اور ایثار و قربانی کا اعتراف کیا گیا۔

ہندی کے ویر رس کوی گجراتی کے بھگتی گو شاعر مرہٹی کے گیت کار ملیالم تلیگو تامل اور علاقائی و صوبائی زبانوں میں نئے طرز کو اپنانے والے اور پرانے ڈھنگ پر نظموں کے لکھنے والے سب ہی شاعروں نے اپنی بساط و طاقت کے مطابق جنگ آزادی و انقلاب میں حصہ لیا۔ اردو زبان نے اس میدان میں جو کام اپنی حوصلہ افزا نظموں گیتوں کے ذریعے انجام دیا وہ کسی اور ملکی زبان کے حصے میں نہیں آیا۔ انقلاب زندہ باد کا نعرہ بھی اسی اردو زبان کی دین ہے ان سب نظموں اور گیتوں کا یکجا کرنا یہاں ممکن نہیں تاہم کچھ قومی نظموں اور وطنی گیتوں کو لکھا جا رہا ہے۔

اے وطن اے بہشت بریں   کیا ہوئے تیرے آسمان و زمین
تیری ایک مشت خاک کے بدلے   لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے
دونوں کا مسکن   ہندوستان ہے
وہ بلبلیں ہیں   یہ گلستان ہے

اک سرزمین ہے — اک آسمان ہے
دونوں کا یک جا — سود و زیاں ہے
نا اتفاقی — آزار جان ہے

مل جل کے رہنا ہے کامرانی
ہندو مسلمان قومیں پرانی

ہندوستانی بچوں کا گیت کے چند اشعار

ہم بھارت ماتا کی سیوا میں تن من دھن کو لگا دیں گے
ہم کیسے جوان ہیں بھارت کے یہ دنیا کو دکھلا دیں گے
امداد کی حاجت ہوگی اگر اس کے لیے جائیں گے گھر گھر
تسکین اداسی من دے کر کے ہم روتوں کو بھی ہنسا دیں گے
ہم نفس کو اپنے ماریں گے ہم جوش دلوں میں ابھاریں گے
جب جے جے بھارت کی پکاریں گے ایک شور جہاں میں مچا دیں گے

کانگریس کی تحریکوں کے زمانے میں ہندی کے یہ دو گیت بھی بڑے جوش و خروش سے پڑھے جاتے تھے۔ خاص کر جیلوں میں صبح کے وقت پربھات پھیری اور شام کے وقت جھنڈا سلامی پر۔

تین رنگا ہے جھنڈا ہمارا — بیچ چرخہ چمکتا ستارا
شان ہے یہی عزت ہماری — سر جھکائے جسے ہند ساری

ہر قلعہ پر یہ جھنڈا گڑے گا	اس کا دل روز دونا بڑھے گا
تم بھی ساری مصیبت اٹھانا	پر نہ جھنڈا یہ نیچے جھکانا
وجئی وشو ترنگا پیارا	جھنڈا اونچا رہے ہمارا
اس جھنڈے کے نیچے نربھے	لبوین سوراجیہ ابھی چل نشے

بولو بھارت ماتا کی جے

اردو کے بعد دوسرے نمبر پر بنگلہ زبان کا درجہ ہے جو آزادی کی تحریک میں پیش پیش رہی۔ اس واسطے کہ بنگال شروع سے شورشوں ہنگاموں اور انقلاب پسندوں کا گڑھ رہا ہے۔ جس کا اثر بنگالی زبان کی شاعری میں بہت کھلے طور پر نظر آتا ہے۔ ہمارے دونوں قومی ترانے یعنی وندے ماترم اور جن گن من اسی زبان وادب کے شاعروں کی دین ہے۔ جس کی وجہ اس بنگلہ زبان کو اور اس کے شاعروں کو ایسی ہمہ گیر اور کل ہند شہرت حاصل ہوئی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ ان دونوں قومی ترانوں پر تفصیلی نظر اگلے صفحات میں پیش کی جاری ہے۔

ایک طرف ان قومی نظموں اور گیتوں کی بھرمار تھی۔ کتابوں رسالوں اخبارات میں ان کی اشاعت وطباعت کا ایک سیلاب اور طوفان تھا ہندوستان کے سب مدرسوں میں انگریزی کا یہ قومی ترانہ " رہے سایہ ہما کا بادشاہ پر" درسی کتابوں میں شامل تھا۔ بچوں سے تقریبات اور معائنوں کے موقعوں پر اس گیت کو پڑھوایا جاتا تھا۔ اسے اگلے صفحات پر دلچسپی کی خاطر پیش کیا جارہا ہے۔

ہمارا بادشاہ سب سے بڑا ہے کہ وہ ہندوستان کا بادشاہ ہے
رہے سایہ خدا کا بادشاہ پر
ہمارا بادشاہ ہے تاج والا ہو اس کا دو جہاں میں بول بالا
رہے سایہ خدا کا بادشاہ پر
ہمارا بادشاہ والی ہمارا ہمیں ہے اس کا دنیا میں سہارا
رہے سایہ خدا کا بادشاہ پر
ہمارا بادشاہ ہے سب سے اچھا کہ اس کا قاعدہ ہے سب سے اچھا
رہے سایہ خدا کا بادشاہ پر
ہمارا بادشاہ ہے سب کو پیارا وہی ہے ہند کی آنکھوں کا تارا
رہے سایہ خدا کا بادشاہ پر
ہمارا بادشاہ یارب سلامت رہے سر پر ہمارے تا قیامت
رہے سایہ خدا کا بادشاہ پر

(اردو کی دوسری منشی گلاب سنگھ)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ڈاکٹر اقبال نے بھی اس وقت کے حالات اور رجحان کو دیکھتے ہوئے ایک قومی نظم "ترانہ ہندوستان" لکھی تھی، جسے قومی ترانے کے طور پر اب بھی وقتاً فوقتاً پڑھا اور گایا

جاتا ہے۔ پورا ترانہ نیچے نقل ہے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

گاندھی جی کو ہندوستان کا یہ ترانہ بہت پسند تھا۔ باپو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔
ڈاکٹر اقبال مرحوم کے بارے میں کیا لکھوں اتنا تو میں کہہ سکتا ہوں کہ جب ان کی مشہور نظم
ہندوستان ہمارا" پڑھی تو میرا دل بھر آیا اور بڑودہ جیل میں سینکڑوں بار میں نے اس نظم کو گایا ہوگا۔
اس نظم کے الفاظ مجھے بہت میٹھے لگے اور یہ خط لکھتا ہوں جب بھی یہ نظم میرے کانوں میں گونج رہی
ہے۔

آپ کا
م۔ک۔گاندھی

قومی ترانے کی ضرورت

کانگریس کے جلسوں میں وندے ماترم کا گیت اور جن گن من کا ترانہ دونوں ہی پڑھے اور
گائے جاتے تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کا ترانہ

بھی گایا جاتا تھا۔ اس کا احساس برابر کیا جاتا رہا کہ ایک قومی ترانہ سارا ملک کے لیے بہت ضروری ہے۔ ۱۹۳۷ء میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے بھارت کے قومی ترانے کے انتخاب پر مشورہ دینے کے لیے مولانا آزاد، شری جواہر لال نہرو، سبھاش چندر بوس اور شری نریندر دیو پر مشتمل ایک کمیٹی بھی بنائی تھی۔

ہندوستان کے آزاد ہو جانے پر قومی ترانے کا سوال ایک مرتبہ پھر بڑی سنجیدگی سے ہمارے سامنے آیا۔ اس واسطے کہ آزادی سے پہلے کے قومی ترانوں کی اہمیت و ضرورت صرف وقتی تھی۔ آزادی مل جانے کے بعد ہمیں اب سرکاری طور پر ایسے مستقل قومی ترانے کی ضرورت تھی جو ایک آزاد قوم کے اچھے کردار اور قومی مقصد اور وطن کی محبت سے بھرپور جذبات کو شعر و نغمہ کے لباس میں ہمارے عزائم و حوصلوں کو بیان کر سکے۔

آزادی کے بعد قومی ترانے کا مسئلہ

۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا۔ اس دن آدھی رات میں ٹھیک بارہ بجے ہندوستانیوں کو اپنے ملک کا انتظام کرنے کی ذمّہ داری سونپ دی گئی۔ اس وقت تک ہندوستان کے کسی خاص قومی ترانے کی تعین نہیں ہو سکا تھا۔ اس لئے آزادی کی اس پہلی تقریب کے موقع پر ہندوستان کی مشہور خاتون شریمتی سوچیتا کرپلانی نے "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" نظم کے چند شعر اور اس کے ساتھ "وندے ماترم" کا پہلا بند اور "جن گن من" کا پہلا بند گایا۔

ہندوستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی میں قومی ترانے کے بارے میں تقریریں ہوئیں۔ بلبلِ ہند

مسز سروجنی نائیڈو نے اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے جن خیالات کا اپنی تقریر میں اظہار کیا تھا۔ اس کا خلاصہ نیچے لکھا جا رہا ہے۔ اس تقریر سے آپ کو قومی ترانے کی اہمیت و ضرورت کا بھی بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ آپ نے کہا۔

"میں نے اپنی لمبی زندگی میں بہت سے سمندر پار کے سفر کیے ہیں میں قدرتی لحاظ سے اور قسمت کے لحاظ سے آوارہ گرد واقع ہوئی ہوں۔ میں نے آزاد ملکوں میں دلی دکھ اٹھایا ہے۔

۱۹۱۹ء میں جس دن پچھلی جنگ عظیم کے بعد ورسیلز کے مقام پر صلح کے عہد نامے پر دستخط ہوئے تو اس وقت میں پیرس میں تھی۔ ہر جگہ بڑی خوشی اور مسرت تھی۔ تھیٹر ہاؤس پر تمام ملکوں کے جھنڈے اس کی رونق بڑھا رہے تھے۔ اس وقت اسٹیج پر ایک مشہور ایکٹرس آئی جس کی آواز بڑی خوبصورت تھی۔ اس نے فرانس کا جھنڈا اپنے گرد لپیٹ لیا۔ اور تمام حاضرین کھڑے ہو گئے اور اس کے ساتھ سب نے فرانس کا قومی ترانہ گایا۔ میرے پاس ایک ہندوستانی بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مجھ سے یوں کہنے لگا۔ ہمارا جھنڈا کب بنے گا۔ میں نے جواب دیا وہ وقت جلد آ رہا ہے۔ جب ہمارا اپنا جھنڈا ہو گا۔ اور۔ اپنا قومی گیت۔"

۱۹۴۷ء کے بعد ایک بحث چھڑ گئی کہ ہندوستان کے قومی ترانے کے لیے "وندے ماترم" یا "جن گن من" سے کس کو اپنایا جائے۔ پنڈت جواہر لال نے ۲۵ اگست ۱۹۴۸ء کو ایک بیان اس سلسلے میں دیا۔ آپ نے کہا۔۔۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہمیں ایک ایسے قومی ترانے کی ضرورت محسوس ہوئی جو بینڈ اور آرکسٹرا پر بجایا جا سکے۔ اس کی ضرورت نہ صرف فوجوں کو تھی بلکہ ہندوستان سے باہر سفارت

خاتون کو بھی تھی۔

۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ہمارے وفد سے قومی ترانہ طلب کیا اور اس نے جن گن من پیش کر دیا۔ یہی ہماری فوج میں رائج ہوگیا۔ ہر ملک میں نہ صرف پسند کیا گیا بلکہ مبارکبادیاں بھی آنے لگیں پھر گورنروں اور بڑے صوبوں کے وزیروں سے رائے پوچھی گئی۔ سوائے سی پی (سینٹرل پراونس) کے اسے ہر صوبہ نے پسند کیا اور عارضی طور پر ہندوستان کی کابینہ نے "جن گن من" کو ہند کا قومی ترانہ تسلیم کر لیا۔ پھر بنگال کے بڑے وزیر نے لکھا۔ ان کی حکومت "وندے ماترم" کو پسند کرتی ہے۔ افسوس کہ یہ بحث چھڑی ہوئی ہے۔

بہر حال قومی ترانے کے لیے اسی "لے" کی ضرورت ہے جس سے ہندوستانی موسیقی کا جوہر نمایاں ہو اور ہندوستان سے باہر بھی اسے پسند کیا جا سکے لہذا بعض ماہروں کی رائے ہے کہ "وندے ماترم" کی "لے" ایسی ہے کہ باہر کے ملکوں کے آرکسٹرا میں اس کی نزاکتیں پورے طور پر ادا نہیں ہو سکتیں۔ بہر حال "وندے ماترم" اگرچہ ہندوستان کا قومی ترانہ رہے گا لیکن نیشنل ترانے کی لے وہی رہے گی جو جن گن من کی ہے۔

اس معاملہ میں قانون ساز اسمبلی جلد ہی فیصلہ کرے گی۔

قومی ترانے کا اعلان

۲۴ جنوری ۱۹۵۰ء کو قومی ترانے کے بارے میں قانون ساز اسمبلی کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے حسب ذیل اعلان جاری کیا۔

وہ نغمہ جو جن گن من" کے نام سے مشہور ہے ہندوستان کا قومی ترانہ ہوگا اور اس کے الفاظ میں ایسی تبدیلیاں کی جاسکیں گی جن کے لیے موقع آنے پر حکومت اختیار دیدے گی اور اس کے ساتھ ساتھ "وندے ماترم" گیت کا بھی برابر کا رتبہ ہوگا۔ جس نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں یادگار حصہ لیا ہے

مجھے امید ہے کہ ممبران اسمبلی کو اس سے اطمینان ہوگیا ہوگا۔

چونکہ وندے ماترم اور جن گن من دونوں گیتوں کو قومی ترانے کی حیثیت دیدی گئی ہے اس لیے ہم آئندہ صفحات میں ان دونوں قومی ترانوں کے تاریخی اور سیاسی پس منظر کو مع ان کے آداب داطوار کے وضاحت سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

وندے ماترم

بنگال کے مشہور شاعر شری بنکم چندر چٹرجی نے یہ گیت اپنے ایک ناول" آنند مٹھ کے سلسلے میں لکھا تھا۔ یہ گیت پہلی مرتبہ ۱۸۸۱ء میں چھپا اور انڈین نیشنل کانگریس کے جلسے میں پہلی مرتبہ ۱۸۹۶ء میں پڑھا گیا۔

بنگال کی تقسیم جس کا خاص مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت ڈالنا تھا۔ لوگ سرکار کے ارادہ کو بھانپ گئے اور انہوں، نے سارے ملک میں تقسیم بنگال کے خلاف ایک اندولن یعنی تحریک شروع کردی یہ تحریک کانگریس کی رہنمائی میں کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی اور ۱۹۱۱ء میں دربار دہلی کے موقع پر بنگال کی تقسیم کے اعلان کو واپس لے لیا گیا۔ اس تحریک کے دوران کچھ لوگوں نے تشدد

اور دہشت پسندی سے بھی کام لیا۔ اور اس تشدد پسند طبقہ نے "وندے ماترم" کے گیت کو اپنا لیا۔ بنگال کی حکومت گھبرا گئی اور اس نے "وندے ماترم" کا پڑھنا جرم قرار دیدیا۔ لوگوں نے اس پابندی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور اس گیت کی خاطر جیل و بند اور دیگر مصیبتوں کو خوش خوش برداشت کیا۔

مسلمان اور وندے ماترم

وندے ماترم
سوجلم سوپہلم مالایجا شیتلم
وندے ماترم

ششیا شیالم ماترم
سبھراجو سنا پلاکیتا جا منم
پھلاکسمتا در مدلا شو بھنم
شوہا سنگ شو مدھرا بھاشنم
سکھ دام وردام ماترم
وندے ماترم

جناب وقار انبالوی نے اس وندے ماترم گیت کا اردو ترجمہ کیا ہے اور اصل گیت سے زیادہ شگفتگی پیدا کر دی ہے۔

بندہ مادرم   بندہ مادرم

میری نظر کا نور ہے صورتِ مادرِ وطن
دل کا میرے سرور ہے صورتِ مادرِ وطن

بندہ مادرم

اس کی ہوائیں تازگی دشت و دمن بہشت ہیں
اس کی فضائیں زندگی اس کے چمن بہشت ہیں

وندے مادرم

دامن کوہسار کے چشمے حیات بخش ہیں
نزہت لالہ زار کے جلوے حیات بخش ہیں

وندے مادرم

مادر وطن کا جمال رشکِ حوریاں رہا
مادر ہند کا جمال مرجعِ نوریاں رہا

وندے مادرم

قلب میں اس کے لاکلام شفقتِ مادری بھی ہے
چہرے پہ ہاں پئے سلام عظمتِ مادری بھی ہے

وندے مادرم

اس کی عزیز خاک سے پیکرِ باصفا اٹھے

یعنی اس ارض پاک سے خلق کے رہنما اٹھے

وندے مادرم

اس کے جوان تند خو ثابت وصف شکن رہے
اس کے پلان جنگ جو گرد فلک شکن رہے

وندے مادرم

وندے مادرم

بنکم چندر چیٹرجی

ان کی ولادت ۲۷ جون ۱۸۳۸ء میں بنگال کے چوبیس پرگنہ میں شری یادو چندر چیٹرجی کے گھر ہوئی۔ جو کہ کافی عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہ چکے تھے۔ ۵ سال کی عمر میں ان کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا گیا تو اس زمانہ میں انہوں نے ایک ہی دن میں ساری ورن مالا یاد کر کے اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا۔ بارہ سال کی عمر میں انھیں ہگلی کالج میں داخل کیا گیا۔ وہاں انھوں نے سنسکرت پر عبور حاصل کیا اور کالج کی لائبریری کی تمام کتابوں کا مطالعہ کر کے سب پر اپنی دھاک جما دی۔ ۱۸۵۲ء میں انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے آنرز کا امتحان امتیازی شان کے ساتھ یعنی فسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ آپ پہلے ہندوستانی گریجویٹ تھے۔

ادیب بننے کی دھن ان کو کالج کے زمانہ سے ہی لگی ہوئی تھی۔ ۲۰ سال کی چھوٹی سی عمر میں وہ ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر مقرر کیے گئے۔ ان دنوں وہاں پرنیل کے ٹھیکہ دو انگریزوں نے لے رکھا تھا۔

یہ انگریز ہندوستانی مزدوروں پر من مانے ظلم ڈھاتے تھے۔ چٹرجی نے تحقیقات کروا کر ان دونوں انگریزوں کو مستحق سزا قرار دیا۔

انھوں نے اپنی زندگی میں تقریباً پندرہ ناول اور دس گرنتھ لکھے ہیں۔ لوگوں کو اس بات پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنی ملازمت کے دوران کس طرح سے ایسی اچھی کتابیں لکھ ڈالیں جن کی شہرت کی دھوم ہندوستان اور بیرون ہندوستان تک میں ہے۔ ان کی تصانیف کا ترجمہ ہندی اردو اور دیگر ملکی زبانوں کے علاوہ انگریزی روسی زبانوں میں بھی ہوا ہے۔

بنکم چندر چٹرجی کے ناولوں میں پند و نصیحت اور اپدیش کی بھر مار نہیں ہے بلکہ ایک نمونے اور ایک اچھے اور مثالی سماج و سوسائٹی کا خاکہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ وطن اور حب وطن کا پیغام بھی ہے۔

تاریخ جاننے والے اور ان ناولوں کے پڑھنے والے دونوں بنکم چندر چٹرجی کی تحریروں اور تصانیف سے معلومات کا خزانہ حاصل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ چٹرجی کی لکھی ہوئی کتابوں میں مغلیہ حکومت کی طاقت اور اس کی کمزوریوں پھر اس کے ساتھ انگریزی فاتحوں کی ہوس اور لالچ اور پسے ہوئے بیکس و مظلوم جنتا کی بے اندازہ تکالیف کا بیان بھی بہت واضح اور کھلے انداز میں ان کے یہاں موجود نظر آتا ہے۔

انھوں نے اپنے ناول آنند مٹھ میں نہایت درد سے اور بڑی صحت کے ساتھ ان واقعات کی تفصیل پیش کی ہے جو ۱۷۷۰ء میں قحط کی بنیاد ہیں۔ وہ بنگال کے گاؤں اور شہروں کی ہیبت ناک تباہی کا بیان کرتے ہوئے صحیح لفظوں کا استعمال اور انتخاب کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں کے سامنے اس

تباہی کا پورا نقشہ آنکھوں میں بھر جاتا ہے۔ اس ناول میں وندے ماترم کا گیت آیا ہے جو ہماری جنگ آزادی کا ایک نعرہ رہا ہے۔ انقلاب پسندوں کو خاص طور سے "وندے ماترم" کے لفظ سے پریم تھا۔

بنکم چندر چٹرجی نے ہمیں وندے ماترم کا نعرہ اور وندے ماترم کا قومی گیت دیا۔ ۵۶ سال کی عمر میں ۱۸۹۴ء میں وفات پا گئے۔

حکومت ہند نے ان کی خدمات وشخصیت کے اعتراف واقرار میں ابھی حال ہی میں یعنی یکم جنوری ۱۹۶۹ء میں ان کی پچھتر سالہ سالگرہ کے موقع پر ڈاک ٹکٹ جاری کیا۔ آج اگرچہ بنکم چندر جی ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی ملکی وادبی خدمات کو ہمیشہ ہمیشہ سراہا جائے گا۔ ان کی سب سے بڑی یادتو ان کا قومی ترانہ "وندے ماترم" ہے۔ جو رہتی دنیا تک اس ملک میں ہمیشہ گونجتا رہے گا۔

میڈم کاما اور وندے ماترم

میڈم کاما جنم سے بھارتی اور دھرم سے پارسی تھیں۔ آپ کا کنبہ بڑا خوشحال تھا۔ آپ نے اپنی تعلیم بمبئی میں پوری کی۔ شروع سے سیاسی اور سماجی کاموں سے لگاؤ تھا۔ ۱۸۸۵ء میں جب کانگریس کا پہلا جلسہ ہوا تو اس جلسہ میں شریک تھیں۔ ۱۹۰۱ء میں صحت کی خرابی کی وجہ سے بمبئی سے انگلستان چلی گئیں۔ جہاں وہ چند مہینے رہیں۔ اور پھر پیرس میں آکر سکونت اختیار کرلی۔ ۱۹۰۷ء میں جرمنی میں شوشلسٹ کانگریس کا جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں تقریباً ایک ہزار ڈیلی گیٹ شریک ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر یورپین تھے۔ اس اجلاس میں میڈم کاما نے ہندوستان کی مکمل آزادی کا ریزولیوشن پیش کیا۔ مسٹر ریمزے میکڈانلڈ جو بعد میں انگلستان کے وزیر اعظم ہوئے انھوں نے اس ریزولیوشن کی مخالفت کی مگر یہ بھاری

اکثریت سے پاس ہوگیا۔ اپنے ریزولیوشن کی حمایت میں میڈم کاما نے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا۔
ہندوستان میں برطانوی راج کا رہنا ہندوستان کے بہترین مفاد کے لیے واقعی خطرناک
اس لیے دنیا بھر کے آزادی پسندوں کو چاہیئے کہ دنیا کی آبادی کے اس پانچویں حصے کو غلامی سے نج
دلانے کے لیے امداد کریں تاکہ اس مظلوم ملک کو چین کا سانس لینا نصیب ہو۔

جن گن من

ہمارا یہ قومی گیت بنگال کے سب سے بڑے شاعر ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کا لکھا ہوا ہے
دعائیہ ہے جس میں انسانیت کا ایک عالم گیر پیغام ہے۔
یہ گیت ۲۸ دسمبر ۱۹۱۱ء میں پہلی مرتبہ کانگریس کے اجلاس کلکتہ میں پڑھا گیا تھا۔ جن
۱۹۱۲ء میں "تتو بودھنی پتریکا" نامی رسالہ میں جس کے ایڈیٹر خود رابندر ناتھ ٹیگور تھے بھار
ودھاتا کے عنوان سے پہلی مرتبہ چھپ کر عوام کے سامنے آیا۔ ۱۹۱۹ء میں اس گیت کا انگریزی
خود ٹیگور نے "مارننگ سانگ آف انڈیا" یعنی "صبح کا ترانہ" کے نام سے کیا۔ جس کی تفصیل اس
ہے کہ ۱۹۱۹ء میں ٹیگور مدراس کے شہر مون پلی کے تھیوسوفیل کالج میں ایک انگریز کے ساتھ ٹھہرے ہو
آپ نے کالج کی تقریب میں "جن گن من" گایا۔ جنوبی ہندوستان کے لوگ اس گیت کو سن کر بڑے
ہوئے۔ کالج کے پرنسپل نے اپنے مہمان سے اس گیت کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی درخواست کی
یہ گیت کالج پرارتھنا کے طور پر ہر صبح گایا جانے لگا۔

۱۹۳۶ء میں اس گیت کا انگریزی ترجمہ جو خود رابندر ناتھ ٹیگور کے ہاتھ سے لکھا ہوا تھا

ـ خصوصی نمبر میں چھپا بھی تھا۔

ـ غلط فہمی اور اس کا ازالہ

لوگوں کا خیال تھا کہ ٹیگور نے " جن گن من" انگلستان کے بادشاہ جارج پنجم کی تعریف اور شان
لکھا ہے۔

تاریخی شہادت سے یہ بات بالکل صاف ظاہر ہوتی ہے کہ یہ گیت بادشاہ انگلستان کی شان
ریف میں نہیں لکھا گیا۔ اس کا ثبوت درج ذیل سطروں سے بھی ملتا ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس کی رپورٹ سے یہ بات بالکل صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اجلاس
پہلے دن کی کارروائی کی ابتدا "وندے ماترم" کے گیت سے ہوئی اور دوسرے روز کی کارروائی
غاز " جن گن من" سے ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ کانگریس جماعت اس وقت سخت پالیسی کو
ر نہیں کرتی تھی اور پھر جماعت کی رہنمائی بھی ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو حکومت سے براہ
ست ٹکر لینے کو تیار نہیں تھے۔ ادھر دربار دہلی کے موقع پر بنگال کی تقسیم منسوخ ہونے کی وجہ سے
دوستان کے لیڈر بھی خوش تھے۔ اس لیے اس خوشی میں کانگریس کے اس جلسے میں بہت سے
ـ خواہشات کے پیغام پڑھے گئے اور پھر ہندوستانی لڑکیوں نے مل کر ایک اور گیت گایا جو
اہ جارج پنجم کے استقبال کے سلسلہ میں لکھا گیا تھا۔ وہ جن گن من کا یہ گیت نہیں تھا۔ اس کے
لاوہ دربار دہلی سے متعلق ایک مفصل رپورٹ " شاہی دورہ ہند کا تاریخی ریکارڈ " کے نام سے جو
یکارڈ ہے اس میں بھی " جن گن من" کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر جارج پنجم کی شان و استقبال میں ایسا

کوئی گیت لکھا جاتا تو اس کا ذکر اوپر کے ریکارڈ میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوتا۔

"جن گن من" گیت کے اشعار خود اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ گیت انگلستان بادشاہ کی تعریف میں نہیں بلکہ اس دو جہاں کے بادشاہ کی تعریف میں ہے جو دنیا کی سب قوموں ہمیشہ ہمیشہ سے "رتھبان" ہے۔

اس طرح اس گیت میں رتھبان سے "ارجن" کے رتھ بان" شری کرشن جی" مراد ہیں نہیں ہے۔ ڈاکٹر ٹیگور جس عقیدے اور خیال کے تھے اگر اس کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کے معانی سمجھ لینا غلط ہے۔ ٹیگور "برہمو" عقیدے کے تھے خدا کو ایک مان کر سب انسانوں کو انسان سمجھتے تھے۔ وہ وحدت ادیان یعنی سب مذہبوں دھرموں کی یکسانیت کے قائل تھے۔ وہ خدا اور ایشور کے لیے کسی خاص شکل وصورت کے اور متعین کرنے کے بھی سرتاسر خلاف تھے۔ یہاں تک کہ اس کو کسی خاص نام سے یاد کرنے پکارنے کو بھی مناسب نہیں خیال کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ "ہم کیوں اس کو خاص نام دے کریں۔ اس کے علاوہ یہ گیت بطور مناجات یا بھجن کے ڈاکٹر ٹیگور کے مذہبی بھجنوں کے مجموعے سنگیت" میں شامل ہے۔ جس سے یہ صاف نظر آتا ہے کہ گیت روحانی اور مذہبی تعلیم کا آئینہ ہے کسی بادشاہ یا راجا کی خوشامد یا قصیدہ نہیں ہے۔

شاعر اعظم ٹیگور کو جب اس بات کا علم ہوا کہ میرے گیت "جن من گن" کے بارے غلط بیانی سے کام لیا جا رہا ہے تو انھیں خود اس بات سے بہت تکلیف پہنچی اور انھوں نے ۱۹۳۷ء کو اپنے ایک دوست شری پلن بین کو لکھا کہ۔

سرکاری حلقوں میں اثر رکھنے والے ایک دوست نے مجھے شاہ کی شان میں گیت لکھنے کو
غا۔اس کی درخواست سے مجھے حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا اور یہ اسی سخت ردعمل کا نتیجہ تھا کہ
نے جن گن من ادھینائک گیت میں بھارت کی عظمت کے مالک کی جئے پکاری جو قوموں کے
ج ترقی اور زوال سے لٹے ہوئے راستہ پر ہمیشہ سے مسافروں کا رتھبان ہوا ہے ۔

اس ایشور کی جئے پکاری جو انسانوں کے دل میں بسا ہوا ہے اور انسانوں کی رہنمائی کر رہا ہے۔
یگ میں انسان کی قسمت کا مہان (عظیم) رتھبان کسی طرح سے جارج پنجم یا اور کوئی جارج نہیں
تا تھا۔میرے دوست نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی کیوں کہ بادشاہ کا زبردست وفادار ہونے
باوجود اس میں عقل کی کمی نہیں تھی۔

جب نیتاجی سبھاش چندر نے دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں ہندوستان سے باہر برما رنگون
زاد ہند فوج قائم کی تاکہ وہ باہر سے آزادی کی کوشش میں امداد اور سہارا دے سکیں۔ آزاد
فوج کے قائم ہو جانے پر اس کو بھی سرکاری طور پر ایک خاص طرح کے میلان اور رجحان سے بھرپور
ترانے کی بڑی سخت ضرورت تھی۔نیتاجی نے اپنی کابینہ کے وزیر آنند موہن سہائے کے ذمے یہ کام
یا تھا کہ وہ ہندوستان کی شایانِ شان ایک قومی ترانے کی تلاش کریں ۔ ان لوگوں کی نظر انتخاب
ے "جن گن من" پڑی اور آگے چل کر یہی ترانہ مشرقی ایشیا میں گونجنے لگا۔ جاپانی لوگوں کو اپنے
ں پر بے حد ناز تھا لیکن جب انھوں نے آزاد ہند فوج کے ترانے کی لے سنی تو وہ بھی مان گئے
ی ترانہ ہو تو ایسا ہو۔

اس لیے ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن گن من کو قومی ترانے کا درجہ اس کی ہمہ گیر اپیل کی وجہ

سے حاصل ہوا ہے۔

جن گن من کا پورا گیت پانچ بندوں پر مشتمل ہے۔ اس جگہ سارے بند یعنی پورا ترانہ اصل الفاظ اور ان کے معانی کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔

جن گن من ادھینائک جئے ہے	اے وہ جو سب کے دلوں پر حکمران ہے۔
بھارت بھاگیہ بدھاتا	تو ہی بھارت کی قسمت کا جگانے والا ہے۔
پنجاب سندھ گجرات مراٹھا	تیرا ہی نام پنجاب سندھ گجرات مراٹھا
دراوڑ اتکل بنگا	دراوڑ اڑیسہ اور بنگال میں۔
بندھیہ ہماچل یمنا گنگا	اور بندھیاچل اور ہمالیہ میں گونج رہا ہے
اچھل جلا دھتا ترنگا	گنگا جمنا اور ہند ساگر میں تیری تانیں رچی ہوئی ہیں
تب شبھ نامے جاگے	وہ تیرے مقدس نام سے زندہ ہیں۔
تب شبھ آشیش مانگے	وہ تیری رحمت کے طلب گار ہیں۔
گاہے تب جئے گاتھا	وہ ترے ہی گن گاتے ہیں
جن گن منگل دائک جئے ہے	ہر ایک تیرے بچانے سے بچ سکتا ہے
بھارت بھاگیہ بدھاتا	اے ہند کی قسمت اجاگر کرنے والے
جئے ہے جئے ہے جئے ہے	جئے ہو جئے ہو تیری جئے ہو
جئے جئے جئے جئے ہے	تری فتح ہو تیرا بول بالا ہو

دوسرا بند

آہرھا تب آہو آن پرچارت	رات ہو یا دن مسلسل تیری آواز
سنی تب ادار بانی	ایک ملک سے دوسرے ملک کو جا رہی ہے۔
ہندو.بودھ سکھ جین	ہندو بودھ سکھ جین
پارشک مسلمان کرسٹانی	پارسی مسلمان اور عیسائی کو
پورب پچھم آسے	اپنے تخت کی طرف بلاتی ہے۔
تب سنگھاسن پاسے	پورب پچھم مل جل کر تیرے گیت گاتے ہیں۔
پریم ہار ہے گاتھا	اور محبت کے پھولوں کا ہار گوندھتے ہیں
جن گن ابکیہ بدھانک جئے ہے	تو سب کے دلوں کو زندگی کی ایک
بھارت بھاگیہ بدھاتا	لہریں پرو رہا ہے اے ہند کی قسمت جگانے والے
جئے ہے جئے ہے جئے ہے	جئے ہو جئے ہو جئے ہو جئے ہو
جئے جئے جئے جئے ہے	تری فتح تیرا بول بالا ہو

تیسرا بند

پتن ابھیو دیئے بند ہرا پنتھا	اے ازلی رتھبان تو انسانی تاریخ کو
یگ یگ دھاوت یاتری	اس راستہ پر چلا رہا ہے جو قوموں کو ابھرنے اور گرنے سے ناہموار ہوگیا ہے۔

ہے چڑ ساری، تب رتھ چکرے	اس پر یاتریوں کے کارواں برابر چلے
مکھرت پتھ دن راتری	جا رہے ہیں۔
دارن وپلو ما چھے،	اور اس سڑک پر تیرے رتھ کی آواز گونج رہی ہے۔
تب شنکھ دھنی باجے	تیرا بگل انقلاب کے بھیانک دلوں میں بج رہا ہے
سنکٹ دکھ ترا تا	اس کی آواز یاتریوں کے دلوں کو ڈھارس دے رہی ہے۔
جن گن پتھ پرچایک جے ہے	اور تیری انگلی ہر ایک کو رستہ بتا رہی ہے۔
بھارت بھاگیہ بدھاتا	بھارت کی قسمت کو اجاگر کرنے والے
جے ہے جے ہے جے ہے	جے ہو جے ہو جے ہو جے ہو
جے جے جے جے ہے	تیری فتح ہو تیرا بول بالا ہو۔

چوتھا بند

گھور تمیر گھن نبڑ نشی تھے	اور جب اندھیاری گہری تھی۔ رات بھیانک
پیڑت مورچھیت دیشے	اور ڈراونی تھی اور میرا ملک موت کی سی حالت میں پڑا ہوا تھا۔
جاگرت چھل تب اوچل منگل	تب بھی تیری ماتا بھری بانہیں
نت نینے انی کے ہے	اسے چمٹائیں ہوئی تھیں اور تیری نہ سونے والی

دُشں سپنے آتنکے	آنکھیں اس دکھیارے چہرے کو برابر تک رہی تھیں۔
رکشا کریلے ان کے	یہاں تک کہ ان ڈراونے خوابوں کی جھلک اس
	کے چہرہ سے جاتی رہی۔
سنیہی مئی تمی ماتا	جو اس کی روح کا بوجھ بنی ہوئی تھی
جن گن دکھا ترایک جئے ہے	تو ہی دکھیاروں کی پکار سننے والا ہے
بھارت بھاگیہ بدھاتا	بھارت کی قسمت کو پروان چڑھانے والے
جئے ہے جئے ہے جئے ہے	جئے ہو جئے ہو جئے ہو جئے ہو
جئے جئے جئے جئے ہے	تیری فتح ہو تیرا بول بالا ہو۔

پانچواں بند

راتری پربھاتلیہ اُدیلا رادی چھبہ بچہ	پو پھٹ رہی ہے سورج کی کرنیں
پورب ادیا گری بھالے	پوربی پہاڑیوں پر اپنی جھلک دکھانے لگیں
گا ہے بہنگم پن سمیرن	چڑیوں کے چہچہے صبح کی نرم ہواؤں سے مل کر
نوجیون رس ڈھالے	نئے جیون کا رس ڈھالنے لگیں
تب کرونا رونا راگے	تیری رحمت کی محبت بھری سنہری کرنوں نے
نِدرتا بھارت جاگے	بھارت کی سرزمین کو نیند سے جگا دیا
تب چرنے نت ماتھا	اور اس نے تیرے قدموں پر سر رکھ دیا

جئے جئے جئے ہے ۔۔۔ اے راجاؤں کے راجا تیری فتح ہو

جئے راجیشور بھارت بھاگیہ ودھاتا

جئے ہے جئے ہے جئے ہے جئے ہو جئے ہو

جئے جئے جئے جئے ہے تری فتح ہو تیرا بول بالا ہو

اب اس گیت کا بہت سادہ ہندوستانی ترجمہ دیکھیے۔

اردو منظوم ترجمہ

سکھ چین کی بارش برسا ہندوستان کے داتا

ہندوستان کی قسمت چمکا راجاؤں کے راجا

پنجاب سندھ گجرات مراٹھا دراوڑ اتکل بنگا

سب تیرے گن گاتے ہیں

تجھ سے رحمت پاتے ہیں

جئے ہو جئے ہو تیری فتح ہو ہندوستان کے داتا

ہندو بدھ سکھ جین پارس مسلم اور عیسائی

ترے تخت کے آگے جھک کر ماں جائے ہیں بھائی

سب کے دل میں پریت بسا کر تیری میٹھی بانی

پریم کی لڑیاں گوندھ رہی ہیں آزادی کی رانی

اندھیرا مٹانے والے

فریادیں سننے والے

جئے ہو جئے ہو تیری فتح ہو ہندوستان کے داتا

لو صبح ہوئی اور پنچھ پکھیرو تیرے گن گاتے ہیں

ہلکے جھونکے نئی زندگی کا من میں رس لاتے ہیں

سورج بن کر جن پر چمکے ہندوستان ہمارا

سب مل کر جے ہند پکاریں ہند آزاد کا نعرہ

جئے ہو جئے ہو تیری فتح ہو کل دنیا کے آقا

قسمت کو جگانے والے

یہ بیڑا پار لگا دے

جے ہو جے ہو تیری فتح ہو ہندوستان کے داتا

قومی ترانہ کب اور کن کن موقعوں پر گایا جاتا ہے

دنیا کے ہر آزاد ملک میں قومی گیت کے گانے اور بجانے کے بارے میں بڑے واضح اور سخت اصول و قواعد رائج ہیں کسی ملک کے قومی گیت کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے متعلق جو رسمی باتیں ہوں ان سے واقف ہوا جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

قومی گیت کو گانے سے متعلق جو قواعد ہیں تمام اداروں اور افراد کو ان کی پوری پیروی کرنی چاہیئے اتنی ہی اہم بات یہ بھی ہے کہ اسے مناسب تال اور سر کے ساتھ مقررہ معیار کے مطابق گایا اور بجایا جائے۔

"جن گن من" کے پانچ بندوں میں سے صرف پہلے بند کو ہماری وزارت دفاع نے قومی ترانے کے طور پر اپنایا ہے۔

سرکاری تقریبوں میں اس قومی ترانے کے گائے جانے کے موقع مقرر اور متعین ہیں۔ بعض موقعوں پر اس ترانے کے پورے بند کو گایا جاتا ہے اور بعض مواقع ترانے کے آدھے بند کو گایا جاتا ہے جس کی تفصیل اس طرح سے ہے۔

(۱) جب صدر جمہوریہ ہند کسی تقریب میں موجود ہوں تو ایسے موقع پر قومی ترانے کا پہلا بند پورے بینڈ پر گایا جائے گا۔

(۲) ہمارے دیس میں جب کسی اور دیس کا سفیر آئے تو اس وقت بھی اس کے استقبال اور خوش آمدید کی تقریب میں قومی ترانے کا پورا بند بینڈ پر گایا جائے گا۔

قومی ترانے کا آدھا بند نیچے لکھے دو موقعوں پر گایا اور بجایا جائے گا۔

(۱) ایسی سرکاری تقریب جس میں صدر جمہوریہ ہند عصرانہ (چائے کی دعوت) میں خود موجود ہوں تو اس موقع پر قومی ترانے کا آدھا بند گایا جائے گا۔

(۲) تمام گورنروں راجاؤں نوابوں کے سلسلے میں استقبالی تقریب کے موقعوں پر آدھا بند قومی ترانے کا گایا جائے گا۔

قومی ترانہ اور سرکاری بینڈ

بینڈ پر قومی ترانے کی دھن بہت مختصر ہے۔ اس کا کل دوران ۵۲ سیکنڈ کا ہے۔ اس دھن کو بینڈ پر بجانے کے سلسلے میں فلوٹ (ولایتی بانسری) فلاری نٹ۔ اوبوای پیانو ٹائیز سیکسی فون وغیرہ جیسے ساز استعمال کئے جاتے ہیں۔

بجانے والوں کی کم سے کم تعداد ۴۳ اور زیادہ سے زیادہ ۶۲ ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا سرکاری تقریبوں کے علاوہ جیسے یونیورسٹی کے تقسیم اسناد کا جلسہ یوم آزادی وغیرہ کے موقعوں پر بھی قومی ترانہ گایا جاتا ہے۔ سرکاری بینڈ نہ ہو تو چند آدمیوں کا گروہ بھی اسے گا سکتا ہے۔ اس کے گانے پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

قومی ترانہ اور موسیقی

اگر آپ کو دنیا کے مختلف قومی ترانوں کے سننے کا اتفاق ہوا ہو تو آپ خود ہی یہ محسوس کریں گے کہ ہر ہر ملک کے قومی ترانے کی موسیقی کا ایک خاص ڈھنگ اور رنگ ہوتا ہے۔ ان ترانوں کے شروع کے "سر" ایک خاص قسم کی دھیمی "لے" میں بجائے جاتے ہیں۔ جس میں بعض اوقات تیزی پیدا کی جاتی ہے جو کہ آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔ کچھ قومی ترانے ایسے ہیں جو ایک خاص تیز لے کے اتار چڑھاؤ سے شروع ہوتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر قومی ترانے مارچ کی دھنوں میں مارچ کی مخصوص تالوں میں ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ جمہوریہ ترکی کا قومی ترانہ "استقلال مارچ"۔ یا عراق

کا قومی ترانہ اسی طرز اور لے میں مرتب کیے ہوئے ہیں۔

قومی ترانوں کی دھنیں اکثر سادہ اور صاف اور عام فہم ہوتی ہیں تاکہ لوگوں کی زبانوں پر آسانی سے رواں ہو سکے۔ انگلستان کا قومی ترانہ "گاڈ سیو دی کنگ" God save The king نہایت آسان دھن میں ترتیب دیا گیا ہے۔ بعض ملکوں کے قومی ترانے صرف دھن پر ہی ترتیب دیئے ہوئے ہیں یعنی ان کے بول ہوتے ہی نہیں۔ ترکی کا ترانہ استقلال مارچ اور عراق کا ترانہ "شاہی سلامی" اس ڈھنگ پر مرتب ہیں۔ پھر بھی زیادہ تر قومی ترانے ایسے ہیں جن کے بول بھی ہوتے ہیں۔ جو کہ ایک لحاظ سے ضروری بھی ہیں اس واسطے کہ خالی دھن چاہے وہ اپنے اندر کتنا ہی اثر رکھنے والی ہو اور لے کے اعتبار سے کتنی ہی اعلیٰ درجہ کی کیوں نہ ہو آسانی سے عوام کے ذہن میں نہیں اتر سکتی۔ الفاظ کی مدد سے لوگ ملک وطن کے قومی ترانہ کی روح اور جان سے زیادہ اچھی طرح پر واقف و آگاہ ہو سکتے ہیں اور دلوں میں وقعت و عزت کا سبب بھی بنتے ہیں۔

ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ ملکوں کے قومی ترانوں کے بول پہلے سے موجود تھے لیکن اس کے لیے مناسب اور موزوں دھن موجود نہیں تھی۔ دھن بعد میں جاکر ترتیب دی گئی۔ جیسا کہ جاپان کا قومی ترانہ اس کے بول نویں صدی عیسوی سے رائج تھے لیکن اس کی دھن ترتیب نہیں دی گئی تھی۔ جاپانی قوم نے بیداری کے بعد اس طرف دھیان دیا۔ اس لیے اب یہ ترانہ بول اور موسیقی دونوں سے آراستہ ہے۔

قومی ترانوں کے مطالعے سے اس بات کا بھی اندازہ ہوا ہے کہ بعض قومی ترانوں کے دھنیں اعلیٰ درجہ کی ہیں مگر اس کے بول معمولی ہیں اور کچھ ترانے ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ بول اچھے ہیں مگر دھن اور موسیقی معمولی ہے مگر انہیں اپنی قومی مجبوریوں اور ضرورتوں کی وجہ سے اسے جیوں کا تیوں رکھنا پڑتا ہے۔

قومی ترانے زیادہ تر مشہور و معروف شاعروں کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی دھنیں بھی مشہور اور اعلیٰ پایہ کے موسیقاروں کی ترتیب دی ہوئی ہوتی ہیں اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہمارا قومی ترانہ اپنی جگہ بہت ممتاز ہے۔ اس کا خالق اپنی شاعری اور موسیقی دونوں میں بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے۔

اسی وجہ سے اس کی موسیقی اور اس کے بول دونوں ہی غیر معمولی قسم کے ہیں۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر بھی اس کی موسیقی اور بول دونوں کو سراہا گیا ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین اور قومی ترانہ

صدر جمہوریہ ہند کی موجودگی میں قومی ترانہ ضروری طور پر گایا اور بجایا جاتا رہا ہے جناب ذاکر حسین مرحوم کے سامنے بھی قومی ترانہ گایا گیا۔ ایک مرتبہ بمبئی کے عیسائی لڑکیوں نے قومی ترانہ نہایت خوبصورتی سے گایا جن کی کہ مادری زبان ہندی نہیں تھی۔ تو آپ نے اپنی مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ جب راجدھانی میں آئے تو صدر موصوف نے محسوس کیا کہ راجدھانی دلی میں قومی ترانہ اچھے ڈھنگ سے نہیں گایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب ۱۱ مئی ۱۹۶۸ء نئی دلی میونسپل کمیٹی کے کچھ ممبر ذاکر حسین صاحب مرحوم سے ملنے گئے تو آپ نے ان سے کہا کہ۔

انہیں اس بات پر بہت دکھ ہوتا ہے کہ بچے قومی ترانہ بھی اچھی طرح نہیں گا سکتے اس کے معنی سے بھی واقف نہیں ہیں۔ دلی میونسپل کمیٹی کو اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہیئے۔

آپ کے کہنے پر نئی دلی میونسپل کمیٹی نے قومی ترانہ کے گانے کے مقابلہ کا اہتمام کیا اور اس مقصد کے لیے دس ہزار روپے کی رقم منظور کی اور حسب ذیل انعامات رکھے۔

(۱) استادوں کے لیے تین انعامات

(۲) اسکولوں کے لیے تین انعامات۔

(۳) طالب علموں کے لیے تین انعامات۔

جب اس سلسلے میں تقریب انعامات کا جلسہ ہوا تو ذاکر صاحب کو مدعو کیا۔ آپ نے دلی میونسپل کمیٹی کے ان اقدام کو سراہا اور انعامات تقسیم کیے۔

بات یہ ہے کہ ذاکر صاحب ہر چیز کو سلیقہ اور خوب صورتی سے انجام دینے کے قائل تھے اور ہر ہر چیز پر ان کی نظر رہتی تھی۔

شاعر اعظم رابندر ناتھ ٹیگور

رابندر ناتھ ٹیگور بنگال کے ممتاز خاندان میں ۶ مئی ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ کا نام دیوبندر ناتھ ٹھاکر تھا۔ وہ بنگال کے ایک مالدار زمیندار تھے۔ ان کی والدہ کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی خدمات اور دیکھ بھال کے لیے بہت سے نوکر رکھے گئے۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۷۷ء میں ٹیگور اپنے بھائی کے ساتھ انگلینڈ گئے۔ کچھ عرصہ برائیٹن کے اسکول میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد وہ یونیورسٹی کالج لندن میں داخل ہو گئے اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ مگر وہاں تعلیم میں ان کا دل نہ لگا اور ایک سال بعد ہندوستان لوٹ آئے۔ ۱۸۸۳ء میں شریمتی مرنالنی دیوی سے ان کی شادی ہوئی۔

۱۸۹۰ء دوسری بار انگلستان گئے وہاں انھوں نے جرمن زبان سیکھی اور یوروپی موسیقی

اور سنگیت کا مطالعہ کیا۔ ۱۹۱۲ء میں انہوں نے تیسری مرتبہ انگلستان کا سفر کیا اس دوران میں امریکہ بھی جانا ہوا۔ اسی سال ان کی کتاب "گیتا انجلی" جو ان کی مادری زبان بنگلہ میں تھی اس کا انگریزی ترجمہ ہوا اور انہیں سوا لاکھ روپے کا انعام ملا۔ اس انعام کو "نوبل پرائز" انعام کہتے ہیں۔ دنیا میں سب سے اہم اور عزت کا مقام مانا جاتا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں کلکتہ یونیورسٹی نے انھیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ۱۹۱۴ء میں ان کی ادبی خدمات کے پیش نظر انہیں "سر" کا خطاب انگریزی سرکار کی طرف سے بخشا گیا۔ اور اب آپ عالمگیر شہرت کے مالک ہو گئے تھے۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۲ء کو آپ نے اپنے نوبل انعام کی رقم سے کلکتہ کے پاس بولپور نام مقام پر شانتی نکیتن قائم کیا۔ شانتی نکیتن کے ایک حصہ کو "وشو بھارتی" کہتے ہیں۔ آج کل اس درسگاہ کا سارا انتظام مرکزی سرکار کرتی ہے۔

ٹیگور بحیثیت شاعر

ٹیگور کا شمار دنیا کے بہترین بزمیہ شعراء میں ہوتا ہے احساسات خیالات و تصوّرات کی گھلاوٹ اور پھر ان کے اشعار کا ترنم یہ سب مل کر سننے والوں پر ایک ایسا اثر چھوڑتے ہیں جو لفظوں کے ذہن و دماغ سے غائب ہو جانے کے بعد بھی عرصہ اور مدت تک باقی اور قائم رہتا ہے۔ خیال احساس اور ترنم تینوں چیزیں بالکل شروع ہی سے ٹیگور کی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے تقریباً ایک ہزار گیت اور بے شمار نظمیں ڈرامے ناول اور مضامین لکھے ہیں جن کا انداز بیان سادہ سلیس اور زندگی کے فلسفہ سے بھرا ہوا ہے۔

ان کی ہر نظم میں ہندوستان کی سرزمین اس کے ہرے بھرے لہلہاتے کھیت دریاؤں کی روانی

یہاں کے موسموں کے جلوس، یہاں کے دن رات اور اس قسم کے دوسرے رنگارنگ مناظر کی ایک
جھلک موجود ہے جو ٹیگور سے پہلے ایک ہزار برس تک کی شاعری میں کہیں نظر نہیں آتی۔ ا
سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے ایک صوبہ کی مخصوص زبان کو "جہانگیر" یعنی بین الا
زبان کا رتبہ عنایت کیا۔

اس میں شک نہیں کہ ٹیگور نے ادب کے ہر تار کو چھیڑا اور اس سے نہایت لطیف
دل نشین نغمہ پیدا کیا۔ دنیا اسے شاعر کی حیثیت سے جانتی ہے تو اس شہرت اور ناموری
وجہ بڑی حد تک اس کی کیف آور نظموں کی مرہون منت ہے۔

ٹیگور بحیثیت موسیقار

ٹیگور اعظم کو موسیقی سے قدرتی لگاؤ تھا۔ آپ نے بچپن سے ہی موسیقی کی باقاعدہ تعلیم
کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موسیقی ٹیگور گھرانے کی ایک بہت بڑی خصوصیت تھی۔ آپ کے
کو بھی موسیقی کا بہت شوق تھا۔ اور آپ کے بزرگوں میں سے ہر شخص موسیقی کو ایک فن کی ح
سے سیکھے ہوئے تھا۔

تعلیم کے زمانہ میں ہر اتوار کو صبح کے وقت بنگال کے مشہور موسیقار آپ کو تعلیم دینے کے
آتے تھے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد جب آپ نے ادبی دنیا میں قدم رکھا تو موسیقی بھی آپ کے سا
تھی۔ اسی وجہ سے آپ کی شاعری میں ترنم کا بڑا عمل دخل ہے۔

جوانی کے زمانے میں آپ بہت اچھا گاتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار آپ کے گانو

پارلیمنٹ میں قومی ترانے کے گائے جانے کا ایک منظر سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن اور سابق نائب صدر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

شاعرِ اعظم

رابندر ناتھ ٹیگور

خالق وندے ماترم

بنکم چندر چیٹرجی

ڈاک ٹکٹ رابندر ناتھ ٹیگور

ڈاک ٹکٹ بنکم چندر چیٹرجی
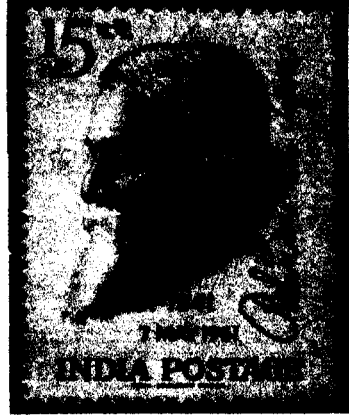
بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کبھی کبھار جب ان کی طبیعت پریشان ہوتی تو وہ اس موقع پر ٹیگور کو اپنے پاس بلاتے اور ان سے گانا سنا کرتے تھے۔

ڈاکٹر ٹیگور موسیقی اور سنگیت کی قوت وطاقت کے بھی بہت قائل تھے۔ موسیقی کو تعلیم کے نصاب میں شامل کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی درسگاہ شانتی نکیتن میں موسیقی نصاب میں شامل ہے۔ جہاں صبح گجر بجانے کی بجائے گانے گائے جاتے اور ان صبح کے نزالوں سے نیند کے متوالوں کو بیداری کا پیغام دیا جاتا ہے۔

وہ فن موسیقی میں کامل تھے۔ اس کے علاوہ کلاسیکی موسیقی اور سنگیت پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ مغربی موسیقی کی ٹیکنیک سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

ہمارے قومی ترانے کی موسیقی خود شاعر اعظم ٹیگور کی مرتب کی ہوئی ہے۔

ٹیگور بحیثیت قوم پرست

ٹیگور کے عقیدے کے مطابق قوم پرستی کا پہلا زینہ اپنے نفس کو مارنا اور اپنے اوپر بھروسہ کرنا تھا۔ انھوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے صاف الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ۔

"اگر تم عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"جب تک ہر قوم کے ہر طبقے اور گروہ کے لوگوں سے کاہلی بے حسی اور مردہ دلی دور نہ ہو جائے ملک صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہو سکتا۔"

۱۹۰۵ء میں جب لارڈ کرزن نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں نااتفاقی ڈالنے کے مقصد سے

بنگال کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تو اس سے نہ صرف بنگال ہی میں بلکہ سارے ہندوستان میں ناراضگی پھیل گئی۔ رابندر ناتھ ٹیگور اپنے گھر بیٹھے نہ رہ سکے۔ تقسیم بنگال کے خلاف جو تحریک ملک میں شروع ہوئی اس کی رہنمائی کے لیے آگے بڑھے۔ تقسیم بنگال پر ماتم کرنے کے لیے ۱۶ر اگست ۱۹۰۵ء کا دن مقرر کیا گیا۔ اس دن کلکتہ میں صبح کو ایک بڑا جلوس نکالا گیا۔ رابندر ناتھ ٹیگور اس جلوس میں آگے آگے تھے اور لوگ ان کی نظم گاتے جا رہے تھے جو انھوں نے اسی موقع کے لیے لکھی تھی۔ اس کے بعد باغ بازار میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا وہاں ٹیگور نے زبردست تقریر کی۔ اس تقریر سے لوگوں میں اس قدر جوش پیدا ہوا کہ قومی فنڈ کے لیے، پچاس ہزار روپیہ جمع ہونے میں دیر نہ لگی۔

۱۹۰۸ء میں انھوں نے پبنا شہر میں بنگال پراونشل کانفرنس کی صدارت کی۔ انھوں نے اس موقع پر نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

تم اکٹھا ہو کر دیہاتوں میں نکل جاؤ اور سماج میں جو برائیاں داخل ہو گئی ہیں انھیں نکال دینے کی کوشش کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ جو چیزیں اپنے دیش میں تیار ہوتی ہیں انہیں کا وہ استعمال کریں اور بدیشی چیزوں کے استعمال سے پرہیز کریں۔

اور جب ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آیا تو انگریزی سرکار کی یہ کوشش تھی کہ اس کی خبر شائع نہ ہو لیکن ٹیگور کے کانوں تک یہ خبر پہنچ ہی گئی۔ وہ اس وقت شیلانگ میں تھے فوراً کلکتہ آئے اور یہاں آکر انھوں نے شہر کے لیڈروں سے کہا کہ " اس حادثہ پر غم و غصہ کا اظہار کرنے کے لیے ایک عظیم جلسہ بلائیں۔ میں اس کی صدارت کے لیے تیار ہوں۔" لیڈروں نے بچنے کی کوشش کی اور اپنے کو الگ رکھنا چاہا تو ایسے وقت میں ٹیگور نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی۔

انھوں نے "سر" کا خطاب واپس کرتے ہوئے وائسرائے کو جو خط لکھا تھا اس میں انھوں نے اپنے دلی تاثرات اور رنج وغم کا اظہار کیا تھا اسے یہاں مختصر طور پر نقل کیا جا رہا ہے۔

ایک چھوٹی سی مقامی شورش کو دور کرنے کے لیے پنجاب کی حکومت نے جس طرح تشدد سے کام لیا ہے اسے ہم لوگوں نے بڑے دکھ کے ساتھ صاف صاف سمجھ لیا ہے کہ ہندوستان میں برٹش رعایا کی حیثیت سے ہم لوگ کس قدر بے بس ہیں۔ ہم بھروسہ اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان بدنصیب لوگوں کو جو سزائیں دی گئی ہیں اس کی مثال بہت کم دنیا کی کسی مہذب تاریخ میں ملے گی۔ یہ مظالم نہتے مجبور مجمع پر توڑے گئے ہیں اور جس طاقت نے یہ مظالم ڈھائے ہیں اس کے پاس انسان کو تباہ کرنے کے بہترین اسلحہ موجود ہیں۔ ایسی حالت میں ہم پوری قوت کے ساتھ اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ کسی بھی انتظامی مصلحت کے بہانے اس کارروائی کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا اخلاقی قانون کا تو ذکر ہی کیا۔

میں جانتا ہوں کہ ہماری درخواستوں کی شنوائی نہیں ہوا کرتی۔ اس کے علاوہ حکومت کے انتقام لینے کے جذبے نے اس کے عقل مندانہ سلطنت کے انتظام پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ایسی صورت میں فی الحال میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے لاکھوں ہم وطنوں کی صدائے احتجاج کو جو دہشت زدہ ہو کر خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں میں اپنی زبان سے آپ تک یہ پہنچا دوں اور اس کا جو انجام ہو اسے بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔ آج ایسا وقت آگیا ہے جب اعزازی نشانات ہماری شرمندگی کو اور بھی ظاہر کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ میری خواہش ہے کہ کسی قسم کی امتیازی خصوصیت مجھ میں باقی نہ رہے اور میں اپنے ملکی بھائیوں کے شانہ بشانہ کھڑا ہو جاؤں جن کو حقیر سمجھ کر اس طرح کہ انسانیت سوز وحشیانہ

برتاؤ کے لائق سمجھا گیا ہے۔ ان ہی وجوہ نے مجھے آپ کے پاس التجا کرنے پر مجبور کیا ہے کہ جو "سر" کا خطاب آپ سے پہلے کے وائسرائے کے ذریعے جلالت مآب بادشاہ سلامت کی طرف سے مجھے عطا کیا گیا تھا۔ آپ از راہ کرم اسے واپس لے کر مجھے سبک دوش کریں۔"

گاندھی جی کی طرح گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور بھی اہنسا اور شانتی اور عدم تشدد کے پجاری تھے۔ اپنی مصروفیات کے باوجود انہیں اپنے ملک کی سیاسیات سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کی زندگی کے آخری دنوں میں جب کہ جنگ آزادی کے کئی مجاہدوں نے انگریزوں کے خلاف بم اور بندوق کا استعمال شروع کر دیا تھا تو یہ سب دیکھ کر سیاسیات سے الگ ہو گئے تھے لیکن پھر بھی دیش بندو داس کے مکان پر انقلابی شاعروں کی جو محفل جمتی تھی ان کے بغیر وہ رنگ پر نہیں آتی تھی۔

اور یہ بالکل صحیح ہے کہ ٹیگور نے اپنی بے شمار نظموں کے ذریعہ اپنی قوم کے دلوں میں وطن کی محبت اور قوم پروری کے جو بیج بوئے ہوئے تھے۔ ان کی قوم پروری کا معیار ان کی قومی نظمیں ہی ہیں۔ ان کی نظموں نے لوگوں میں ہمت و حوصلہ پیدا کیا اور جو لوگ بے راہ روی کا شکار تھے وہ ان کی رہنمائی سے سیدھے راستے پر جا لگے تھے۔

ان کی ایک چھوٹی سی نظم کے ایک ٹکڑے کا ترجمہ نیچے دیا جا رہا ہے

چلو آگے چلو آگے چلو آگے میرے بھائی
سفر میں زندگی کے قافلوں سے پیچھے رہ جانا
جو سچ پوچھو تو جیتے جی ہے گویا موت کا آنا
فقط جی جی کے مر جانا نہیں مقصد ہے جینے کا

ہے جیسا نام آرزو بھر بھر کے پینے کا

چلو آگے چلو آگے چلو آگے میرے بھائی

ٹیگور دم لینے یا بے کار بیٹھے رہنے کے قائل نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہو چکی تھی۔ ان کی آزاد روح اب بیمار بدن میں رہنے کو تیاری نہیں تھی۔ ۷ اگست ۱۹۴۱ء کو کلکتہ میں اپنے آبائی مکان میں ۸۱ سال کی عمر میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کا پیغام "جن گن من" جو ہمارا قومی ترانہ ہونے کے ساتھ امن و سلامتی کا پیغام بھی ہے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

محکمہ ڈاک کے یادگار ٹکٹ

ملک کے آزاد ہونے کے بعد سے محکمہ ڈاک و تار ملک کی بڑی اہم خدمت کر رہا ہے اس سلسلہ میں اس محکمہ کی جانب سے ہندوستان کے مختلف یادگاری ٹکٹ جاری کرنے کا کام انجام دیا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی اہم عمارتوں کے اہم تاریخی ٹکٹ بطور یادگار اس محکمہ کی جانب سے جاری کئے گئے ہیں۔ ہندوستان کی عظیم شخصیتوں کے یادگاری ٹکٹ بھی ڈاک و تار محکمہ نے جاری کئے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلے سے ہندوستان کے شاعر اعظم کے یادگاری ٹکٹ تقریباً دو مرتبہ جاری کئے جا چکے ہیں۔

شاعر اعظم کا ایک یادگاری ٹکٹ یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء کو شعراء کے سلسلے کے ساتھ جاری کیا گیا تھا۔ جن میں مرزا غالب، میرا بائی، کبیر، سور داس، تلسی داس اور شاعر اعظم ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کے ٹکٹ شامل تھے۔

دوسرا یادگاری ٹکٹ ۷ مئی ۱۹۶۱ء کو شاعر موصوف کے سو سالہ یوم کے موقع پر محکمہ

قومی ترانے کے آداب

قومی ترانہ جب گایا جائے تو اس وقت سب لوگ جو موجود ہوں انھیں فوراً کھڑا ہو جانا چاہیئے اور جب تک ترانہ ختم نہ ہو اس وقت تک خاموش اور چپ کھڑا رہنا چاہیئے۔ بالکل بیٹھنے ادھر اُدھر بائیں دائیں دیکھنے سے بھی بچنا چاہیئے ایسا معلوم ہو جیسے ہم عبادت میں مشغول ہیں۔

قومی ترانہ اور ہمارا فرض

کچھ لوگ صوبہ اور زبان کی عینک سے اسے دیکھتے ہیں۔ یہ بات ہمارے دیس کے لیے بڑی افسوس ناک ہے کہ ہم زبان کا بہانا بنا کر اپنے فرض سے غفلت برتیں اس واسطے کہ ہندوستان کی ہر زبان میں قومی ترانہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صرف زبان کی وجہ سے قومی ترانے کے احترام کو نظر انداز کر دینا ذہنی پستی اور چھوٹے پن کی دلیل ہے۔

کچھ لوگ جان بوجھ کر قومی ترانے کے احترام میں کھڑے ہونے سے بچتے ہیں۔ عوام اور ان پڑھ طبقے کو تو چھوڑ دیجیے ہمیں تو اصل شکایت پڑھے لکھے طبقے سے ہے۔ سینما ہال کے اندر سپاہیوں، سول سروسز کے آفیسروں اور طلبا وطالبات کو اس کی خلاف ورزی کرتے دیکھا جا سکتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ جب ٹاکیز شروع نہیں ہوئی تھیں اور خاموش فلمیں صرف انگریزی میں آتی تھیں۔ لاہور میکلورڈ روڈ پر ایک پیلا تھیٹر تھا۔ ایک دن لاہور چھاؤنی سے دس بارہ فوجی گورے

بائسکوپ دیکھنے وہاں آئے تھے۔ وہ شراب میں مست تھے انھوں نے وہاں دھاندلی مچا رکھی تھی
پبلک تنگ آگئی تھی۔ انگریزوں کا زمانہ تھا۔ انھیں اس حرکت پر کوئی روک نہ سکا لیکن جس
وقت فلم ختم ہوئی اور پردہ فلم پر یونین جیک آیا اور انگریزی قومی ترانہ "گاڈ سیو دی کنگ"
بجنے لگا تو وہ لوگ سارے کے سارے اٹینشن ہو کر کھڑے ہو گئے۔ معلوم نہیں ہوا کہ ان کا نشہ اور
شراب کی بدمستی ایک منٹ کے اندر کہاں غائب ہو گئی۔

آج ہماری کیا حالت ہے جب اپنا جھنڈا پردہ فلم پر آتا ہے اور قومی ترانہ کی دھن شروع
ہوتی ہے تو ہم لوگ باہر نکلنا شروع کر دیتے ہیں اور ہال میں ایک شور مچ جاتا ہے۔

لیکن حکومت کی کوششوں سے تو سب کام انجام نہیں پاتے جب تک ملک کے عوام اور
خواص اپنا تعاون حکومت کو نہ دیں۔ حکومت نے اپنا فرض ادا کر دیا اب اس فرض کا ادا کرنا ہمارا اپنا
کام ہے۔ ہمیں قومی ترانے کی عزت و احترام کو پورا پورا خیال رکھنا چاہیے جیسا کہ دوسرے ملکوں
میں وہاں کے عوام اپنے قومی ترانے کی عظمت کا خیال رکھتے ہیں۔

اس واسطے کہ ہمارا یہ قومی ترانہ تو وطن اور اس کے باشندوں کی شان میں چند تعریفی کلمات
ہیں۔ اس عزم و ارادہ کا اظہار ہے کہ ہم نے آزادی بڑی کوششوں اور قربانیوں کے بعد حاصل کی ہے۔
اگر ہماری آزادی پر کبھی آنچ آئی یا ہمیں کسی دوسرے ملک نے پھر غلام اور محکوم بنانے کی کوشش کی
تو ہم اپنے آخری سانس تک اس کا مقابلہ کرلیں گے اور جب تک جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے
ہم اپنی آزادی پر کسی قسم کی آنچ آنے نہیں دیں گے۔

انگریزی میں ایک نظم (Minstrel Boy) ملتی ہے پرانے زمانے

میں فوجوں میں ایک گروہ ہوتا تھا جو فوجوں کا جوش بڑھانے اور حوصلہ دلانے کے لیے حب وطن اور آزادی پر مر مٹنے کے نغمے اور گیت گاتا تھا۔ ایسے نغموں اور گیتوں کے گانے والوں کو منسٹرل بوائے کہا جاتا ہے۔ ایک بار اپنی فوج کی شکست کے بعد ایک لڑکا دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگیا۔ دشمنوں نے اس سے کہا کہ وہ اپنا باجا دیدے اور اس پر نغمے اور گیت بجانا بند کردے مگر اس نے کہا کہ جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ اور سانس لینے کی قوت و طاقت باقی ہے

تب تک میرا یہ ساز آزادی کے گیت گاتا رہے گا۔ بقول ساغر نظامی۔

روک سکتا ہے تیرے نغموں سے کون کب مجھے
گولیاں چاروں طرف گھیرلیں گی جب مجھے
اور تنہا چھوڑ جائے گا میرا مرکب مجھے
اور سنگینوں پہ چاہیں گے اٹھانا جب مجھے
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
مرتے مرتے ایک تماشائے وفا بن جاؤں گا
عہد کرتا ہوں کہ میں تجھ پر فدا ہو جاؤں گا

لوگوں نے اس لڑکے کا باجہ چھین کر زمین پر پٹک دیا۔ باجہ چور چور ہوگیا۔ غیرت دار وطن پرست اس صدمہ کو برداشت نہ کرسکا۔ اس نے ایک سپاہی کی پیٹی سے چھرا کھینچ کر اپنے پیٹ میں گھونپ لیا اور وہیں موت نے دامن میں جا سویا۔ وہ لڑکا "تماشائے وفا" بن گیا اور دشمن اس کے جذبے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

ہمارے قومی ترانے کا مقصد اور مطلب بھی یہی ہے کہ وطن پر اپنا تن من دھن
سب قربان کر دیں گے اور اس کی آزادی پر کوئی داغ نہ آنے دیں گے اور وقت،
موقع آنے پر " تماشائے وفا" یعنی عملی مظہرِ وفا بن جائیں گے۔